ڈاکٹر تحسین بی بی
صدر شعبہ اردو
ویمن یونیورسٹی صوابی

اشفاق احمد کے افسانوں میں سماجی و سیاسی حقیقت پسندی

After the creation of Pakistan, many scholars started writing fiction and Ishfaque Ahmad is one of the great writers of that age. His writings are unique and distinctive. He was a fiction writer, dramatist, story-teller, and has great interest in Punjabi literature. His writings provide a very vast and fresh perspective of life. He is realistic writer and clearly presents the political and social realities of his era. This article discusses the social and political awareness in writings and how we can benefit from them to make our lives better.

.

قیام پاکستان کے بعد جن افسانہ نگاروں نے لکھنا شروع کیا ان میں اشفاق احمد کا نام بھی نمایاں ہے۔اشفاق احمد ہمارے عہد کے ایک منفرد، بلند قامت اور وقیع افسانہ نگار ہیں۔وہ بیک وقت افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور داستان گو بھی تھے۔ اس کے علاوہ وہ پنجابی شعر و ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔لیکن وہ بنیادی طور پر افسانہ نگار تھے اور وہ گہرائی کے شناور تھے یہی وجہ ہے کہ وہ سطحی بات کی بجائے بڑی دور اور تہہ تک پہنچتے تھے۔اگرچہ انہوں نے افسانے کم لکھے ہیں لیکن قلم سے ان کا رشتہ کبھی بھی نہیں ٹوٹا۔وہ ایک سوشل ریفارمر کی حیثیت سے معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں کو دور کرنا چاہتے تھے۔ان کی افسانہ نگاری کا پس منظر بے حد وسیع اور توانا ہے۔وہ اپنے اسی پس منظر اور تناظر کے پیش نظر افسانہ نگاری میں نئے تجربات بھی کرتے رہتے ہیں۔

اشفاق احمد خالصتاً حقیقت پسند اور حقیقت نگار تھے۔انہوں نے جس زمانے میں لکھنا شروع کیا اس وقت اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کا بڑا زور تھا لیکن وہ شروع ہی سے اس تحریک کے اثرات سے محفوظ رہے۔ان کے افسانوں میں معاشرتی مسائل کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے جن سے آج کا انسان نبرد آزما ہے۔ ان کی حقیقت نگاری میں انسانی جذبوں اور موہوم امیدوں کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ ان کی حقیقت نگاری میں ہمارے معاشرے کے مسائل و کمزوریوں کو نمایاں طور پر دیکھاجاسکتا ہے۔بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

> وہ ایک حقیقت پسند افسانہ نگار ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت نگاری کھری، بے ڈھنگم اذیت ناک، فاحش اور انتہا پسند نہیں ہوئی۔ وہ جس ماحول یا کردار سے متاثر ہو کر افسانہ لکھتے ہیں اسے حد درجہ سبک، نرم، میٹھے سادہ اور دھیمے لہجے میں قاری کے دل و دماغ میں اتار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اصلاحی اور تعمیری مقصد ان کے یہاں نہیں ہوتا، ضرور ہوتا ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ مقصد کا تبلیغی مشن آگے نکل جائے اور افسانہ پیچھے رہ جائے۔(۱)

اشفاق احمد نے ترقی پسندوں کی روایت پر چلنے کے بجائے اجتہاد کو فروغ دیا اور انھوں نے پاکستان کے نئے معاشرے میں ان قدروں کو اکٹھا کرنے اور افسانے کے پورے ماجرے اور کرداروں کے عمل سے ان کی داخلی حقیقت منکشف کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے افسانہ کا زیادہ تر مواد زندگی سے حاصل کیا۔

اشفاق احمد نے غیر نظریاتی افسانے لکھے، انھوں نے کسی 'ازم' (ism)کی تبلیغ کرنے کے بجائے جس انسان کو اپنے افسانوں میں چلتے، پھرتے، بولتے اور سیاسی و سماجی واقعات پر اپنا تاثر ظاہر کرتے دکھایا وہ آج کا حقیقی انسان ہے، جس کے سامنے مستقبل کے روشن راستوں کے ساتھ ساتھ دُکھ و مصائب بھی موجود ہیں۔ ان کے افسانوں میں زندگی کی رمق و امنگ آج بھی واضح نظر آتی ہیں۔ انہوں نے سیاسی و سماجی شعور، حقیقت نگاری کے علاوہ زیادہ تر محبت کو موضوع بنا کر اسے گو نا گوں رنگوں میں پیش کیا ہے۔ اشفاق احمد کی تحریروں کا خلاصہ نکالیں تو دو عنوان واضح نظر آتے ہیں۔ یعنی :

(i) اصلاحِ معاشرہ　　(ii) پرانی اخلاقی اقدار کا احیاء

اشفاق احمد کے شاہکار افسانوں نے اردو ادب میں افسانے کو ایک نئے رجحان (Trend) سے متعارف کروایا ہے۔ ان کے کچھ مخصوص تصورات تھے۔ زندگی، عوام، معاشرہ، حکمران سیاست وغیرہ کے بارے میں انھوں نے برملا اظہار کیا۔

قیام پاکستان کے بعد سماجی اور سیاسی زندگی میں مدوجزر پیدا ہوئے اور تقسیم ہند کی صورت میں جو واقعات و حالات سامنے آئے اس کے اثرات ہندوستان کی زندگی میں داخلی و خارجی طور پر جس

طرح اثر انداز ہوئے اس کا عکس دوسرے افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ اشفاق احمد کے افسانوں میں بھی واضح نظر آتا ہے۔انہوں نے جب دیکھا کہ انتھک محنتوں اور قربانیوں کے بعد آزادی حاصل کرنے اور خون کا سمندر عبور کرنے کے بعد پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے والا مسلمان اپنے قومی آدرش کو نظر انداز کرکے خود غرضی، بے ایمانی، انتہا پسندی اور ریشہ دوانیوں میں مبتلا ہوگیا ہے۔اور ہر طرف بے بسی اور محرومیت کے ساتھ ساتھ دوسرے کئی مسائل ابھر کر سامنے آئے۔اس دور میں اشفاق احمد نے محبت کی شمعیں روشن کرکے ایسے افسانے تخلیق کیے جو انسانی محبت کے مرکزی محور پر گردش کرتے ہوئے اس محبت کی روشنی سے زندگی کے ہر رُخ کو منور کرتے چلے جاتے تھے۔اس کے علاوہ سماجی الجھنیں، سیاسی اتار چڑھاؤ، معاشرتی و نفسیاتی پیچیدگیاں، محرومیاں، دکھ اور خوشیاں اشفاق کے افسانوں کا موضوع ہیں۔ہارون الرشید اس حوالے سے لکھتے ہیں: "اشفاق احمد نے معاشرتی رویوں اور سیاسی کمزوریوں کو ہر دور میں بے خوف و خطر بیان کیا ہے۔یہی خوبی کسی شاعر یا ادیب کے فن کو اوجِ ثریا عطا کرتی ہے۔" (۲)

اشفاق احمد کا پہلا افسانہ "توبہ" (۱۹۴۲ء) میں شائع ہوا جو ان کے پہلے افسانوی مجموعے "ایک محبت سو افسانے" (۱۹۵۱ء) میں بھی شامل ہے۔انہوں نے شعوری طور پر خود کو ترقی پسند ادیبوں کے ہجوم سے دور رکھا لیکن پھر بھی ان کے افسانوں میں حقیقت پسندی اور سیاسی شعور کا رجحان واضح طور پر موجود ہے۔اسی سیاسی شعور کا تاثر ان کے پہلے افسانے "توبہ" میں مسلم لیگ کے حوالے سے کچھ یوں نظر آتا ہے:

> اس دفعہ مسلم لیگ جیتے گی.... کیا نام لیگ کا سب سے بڑا افسر آیا تھا، ہماری تو ساری کی ساری برادری کیا نام ادھر ہی وہ دے گی۔اپنے باپ دادا تو سالے ساری عمر بکتے رہے ہیں۔پر ہم سے تو وہ نہیں ہو سکتا کہ اتنے رتبہ کے آدمی کی وہ نہ مانیں اور دوڑ پلی لے کر بھگت جائیں۔(۳)

اشفاق احمد کے افسانوی مجموعہ "ایک محبت سو افسانے" میں شامل زیادہ تر افسانوں کا موضوع تقسیم ہند کا سانحہ ہے۔جن میں انہوں نے سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی مسائل کے علاوہ تقسیم کے المیے، فسادات کے دوران رونما ہونے والے حالات و واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔اس

ذیل میں ان کے افسانے "تلاش"، "سنگ دل"، "مسکن"، "بابا"، "پناہیں" اور "امی" شامل ہیں۔ افسانہ "تلاش" میں اشفاق احمد نے تقسیم ہندوستان کے بعد برپا ہونے والی لوٹ مار اور ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرکے آنے والے ایک خاندان کی داستانِ الم کو بیان کیا ہے کہ تقسیم کے بعد ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کی وجہ سے ہر کوئی اپنا گھر بار چھوڑ کر محفوظ پناہ گاہ کی طرف رواں دواں تھا:

> دور دور تک آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی اور اس کے پیچھے مرنے مارنے والوں کا شور و غل ایسے لگتا تھا جیسے آسمانوں پر کا جہنم مکمل ہوچکا ہو اور اب زمین پر اس کا سنگِ بنیاد رکھا جارہا ہو۔(۴)

افسانہ "تلاش" میں اشفاق احمد نے تقسیم ہند کے دوران رونما ہونے والے حالات اور ہجرت کی داستان کے ساتھ ساتھ ایک بچے احسان کی کہانی کو بھی بیان کیا ہے جو تقسیم کے وقت ہندوستان سے ہجرت کرتے ہوئے اپنے ساتھ کتے کے پلے (جیکی) کو بھی ساتھ لاتا ہے اور اس کے غائب ہوجانے پر اس کی تلاش میں رات کے اندھیرے میں گھر سے نکل جاتا ہے اور واپس نہیں لوٹتا۔ افسانہ "سنگ دل" میں اشفاق احمد نے تقسیمِ ہند کے بعد فسادات کے دوران اغوا ہونے والی عورتوں کی بازیابی کی المناک کہانی کو بیان کیا ہے۔

> باوجود اس کے کہ میری اپنی آنکھوں نے دیکھا تھا، یقین نہیں آتا تھا۔ لڑکے چل رہے ہیں، ہوسکتا ہے نہ چل رہے ہوں، مغویہ لڑکیاں برآمد کی جارہی ہیں۔ شاید نہ کی جارہی ہوں۔ پاکستان بن گیا ہے، کیا پتہ ہے نہ بنا ہو۔(۵)

اس افسانے میں اشفاق نے مغویہ لڑکیوں کی بازیابی کے مسئلے کو نہایت خوبی سے برتنے کے ساتھ ہی ایک فرض شناس فوجی افسر کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ جو کسی مغویہ لڑکی کے والدین کی روداد جو انھوں نے اس کے نام ایک عرضی کے ذریعے اس تک پہنچائی۔ تاکہ وہ ان کی مغویہ لڑکی کا سراغ لگائے مگر وہ درخواست پڑھے بغیر لکھ دیتا ہے: "بہت کوشش کی لیکن کوئی سراغ نہیں ملا۔"(۶)

افسانہ "بابا" میں اشفاق احمد نے ایک دیہاتی خاندان کے سپوت کی روداد بیان کی ہے جو انگلستان سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کرکے واپس آتے وقت اپنی بیوی ایلن اور بیٹے مسعود کو بھی ساتھ لاتا ہے تو پہلے وہ گزر بسر کرنے کے لیے دیہات میں کاشتکاری کرتا ہے مگر بعد میں ایمرجنسی کے تحت

فوج میں بلالیا جاتا ہے۔ ایلن گاؤں میں نہر کے ٹوٹنے سے سیلاب کی وجہ سے بچھڑی کو بچاتے ہوئے مرجاتی ہے اور فسادات کے دوران بابا بھی مارا جاتا ہے تو مسعود اکیلا رہ جاتا ہے۔ اس افسانے میں تقسیم اور فسادات کے دوران برپا ہونے والی لوٹ مار اور قتل و غارت و فساد کی تصویر کشی بھی اشفاق احمد نے خوبصورتی سے کی ہے کہ اس صورتحال میں ہر کوئی محفوظ مقام کی تلاش میں سرگرداں تھا لیکن ہر طرف:

> خاک کے ذرات چنگاریوں کی طرح گرم اور نیزے کی اینوں کی طرح نوکیلے، پسینے سے تر جسموں میں نشتروں کی طرح اترتے چلے جارہے تھے۔ اس پر رائفلوں کی سیٹیاں بجاتی گولیاں اور سٹین گنوں کی تڑ تڑ کرتی باڑھیں! انسان تھے، سانس روکے سب برداشت کرتے گئے۔[۷]

اسی طرح افسانہ "بابا" میں آگے اشفاق نے مشرقی پنجاب کے مہاجروں کے قافلہ پر بربریت و ظلم کے المیہ کو بیان کیا ہے جو کہ اپنا ضروری سامان لے کر اسٹیشن کی طرف بھاگ رہے تھے۔ لیکن یہ مہاجر جگہ جگہ بلوائیوں کی لوٹ مار اور قتل کا نشانہ بنتے ہیں:

> ایک اور ہجوم بجرنگ بلی کے نعرے لگا کر پلیٹ فارم کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھ کر پہلا گروہ پلٹ آیا۔ کسی کے حکم کا انتظار نہ تھا۔ چیخیں گونجیں، شور اٹھا۔ آسمان لرزنے لگا اور نارنجی روشنی میں اضافہ ہوگیا۔ کوئی جھاڑیوں کو بھاگا، کسی نے مکانوں کا رخ کیا، بہت سے دریا کو دوڑے اور جو باقی تھے وہ کٹنے لگے۔[۸]

مسعود کا بابا (دادا) بھی بلوائیوں کے نیزوں اور فائرنگ کا شکار ہو کر مسعود کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے:

> دور کہیں بندوق دغی اور اس کی ٹھائیں دیر تک قہقہے مارتی رہی۔ وہ دبک کر اپنے بابا کے پاس بیٹھ گیا۔ سارے آدمی چپ چاپ سوئے ہوئے تھے۔[۹]

اس مجموعے کے ایک اور افسانہ "پناہیں" کی کہانی کا تعلق بھی تقسیم ملک سے ہے اور اس میں فسادات کی وجہ سے برپا ہونے والی قیامتِ صغریٰ کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس سے گزر کر ملک آزاد ہوا تھا۔افسانے کے شروع میں مسلمانوں کی آبادی پر حملے کی تفصیلات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

> حملہ بارہ بجے دوپہر شروع ہوا۔یلغار کرنے والی فوجیں آموں کے جُھنڈ سے نمودار ہوئیں۔ان میں سے بیشتر گھوڑوں پر سوار تھے جن کے پاس بندوقیں اور رائفلیں تھیں۔باقی بلموں، نیزوں اور تلواروں سے مسلح نعرے مارتے چلے آرہے تھے۔(۱۰)

اس کے ساتھ ہی افسانے میں ایک باپ گھریلو معاملات کی وجہ سے بیٹے کو بے دردی سے مارنے کی وجہ سے دوبارہ کبھی بھی محبت سے نظریں نہیں ملا پاتا اور آخر فسادات کے دوران لُٹ لٹا کر سرحد عبور کرتا ہے تو اس کی التجا میں کرب و الم مجسم ہوجاتا ہے۔"ماسٹر جی! میں پڑھا لکھا مہاجر ہوں۔ مجھے اپنا ماتحت رکھ لیجیے.... میں بچوں کو بالکل مارتا نہیں!" (۱۱)

اشفاق احمد نے افسانہ "مسکن" اور "امی" میں بھی تقسیم ہندوستان کے بعد کی صورت حال کو بیان کیا ہے:میرا محبوب سیاہ کوٹ مشرقی پنجاب میں ہے۔تمہارے نام کے ہندسوں والے نوٹ اب بند ہوگئے ہیں اور ستلج کا وہ حصہ بھی ہمارے ملک میں نہیں رہا۔(۱۲)

اشفاق احمد کے افسانوی مجموعہ "اجلے پھول"(۱۹۵۷ء)میں ان کا شاہکار افسانہ "گڈریا" شامل ہے۔انہوں نے افسانہ "گڈریا" لکھ کر فسادات کے بعد تخلیق ہونے والے اس ادب میں ایک بلند مقام و مرتبہ حاصل کیا جو فسادات کے پس منظر میں تخلیق ہوا تھا۔اشفاق احمد کے افسانہ "گڈریا' ' کے بارے میں اعجاز رضوی اپنے مضمون "اشفاق احمد کی یاد میں" یوں لکھتے ہیں:

> گڈریا لکھ کر اشفاق احمد نے ایک طرح سے قوم کا قرض اتارا تھا۔اردو ادب کیا برصغیر کی تمام زبانوں میں فسادات کے پس منظر میں تخلیق ہونے والے سارے ادب پاروں میں "گڈریا" کا مقام بہت بلند ہے۔(۱۳)

اشفاق احمد کی شہرت کا سبب افسانہ "گڈریا" بنا۔اس افسانے کے سبب ان کو نہ صرف اس دور کا ایک بڑا افسانہ نگار تسلیم کیا گیا بلکہ اس کے سابقہ افسانوں میں بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔افسانہ

"گڈریا"فسادات کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔یہ ایک ایسا موثر نقش ہے جس کی وقعت و اہمیت میں کبھی بھی کمی نہیں آئے گی اور انسانی معاشرے کے غیر فطری رویے جب تک تبدیل نہیں ہوتے اس وقت تک افسانہ "گڈریا" بھی نہایت سادگی اور بھولے پن کے ساتھ انسانی جارحیت، تنگ نظری اور جہالت کو بے نقاب کرتا رہے گا۔

اس افسانے میں خلوص، سچائی اور صبر و ضبط کی اعلیٰ مثال داؤ جی کا کردار ہے۔انسانیت کا پیکر، ایک اچھا انسان اور صوفی مزاج کا ہندو ہے۔جس کی شخصیت میں مسلم روایات گھلی ہوئی ہیں۔لیکن بظاہر ایک کافر جس کے سر پر چوٹی اس کے ہندو ہونے کا اعلان ہے۔"گڈریا" اس دور کا افسانہ ہے۔جب برصغیر کا معاشرہ مربوط اور ذہن انسانی محبت سے سرشار اور فرقہ وارانہ عصبیت سے پاک تھا۔اس افسانے کا مرکزی کردار منشی چنت رام کی تربیت اسلامی علوم کے گہوارے میں ہوئی ہے۔اسے احساس ہے کہ وہ گڈریا ہے۔

افسانے میں داؤجی کے اپنے بیٹے امی چند کے رویے ہندو مسلم کشیدگی یا تناؤ کا اظہار واضح نظر آتا ہے۔چنانچہ اس حوالے سے داؤ جی کہتے ہیں: "اس کے خیالات کچھ مجھے اچھے نہیں لگتے یہ سیوا سنگ، یہ مسلم لیگ، یہ بیلچہ پارٹیاں مجھے پسند نہیں۔"(۱۴)

افسانہ "گڈریا"کی ابتداجذباتی اندازوطرز میں ہوئی ہے لیکن جیسے جیسے افسانہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔اس میں ایک طرح کی پختگی آتی جاتی ہے۔اور قاری پر یہ راز افشاں ہوتا ہے کہ اس افسانے کے پیچھے ہندوستان کی ثقافت کی ایک پوری دنیا آباد ہے۔فسادات میں جو خوفناک کھیل کھیلے گئے ان کا سبب کیا تھا؟ افسانہ گڈریا کا آخری حصہ اس کا جواب قرار دیا جاسکتا ہے۔دلوں کی نفرتیں، فساد، ملک کی تقسیم، مذہبی اختلاف سب یہاں پر واضح نظر آتے ہیں۔فسادات کے دوران جو بھی خون خرابہ اور فساد برپا ہوا، درندگی کے اذیتناک اور ہیبت ناک انداز برتے گئے وہ سب کھل کر سامنے آتے ہیں۔

ملک کو آزادی ملنے لگی تو کچھ بلوے ہوئے اور ساتھ ہی لڑائیاں شروع ہوگئیں ہر طرف سے فسادات کی خبریں آنے لگیں۔مقامی آبادی گھر بار چھوڑ کر بھاگ رہی تھی تو مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔آزادی مل گئی۔تو گھروں کو آگ، ناکوں پر سخت لڑائی، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ تھانے والوں اور ملٹری کے سپاہیوں نے کرفیو لگا دیا۔جب کرفیو ختم ہوا تو سب ہندو اور سکھ قصبہ چھوڑ

کر چلے گئے اور جو باقی بچ گئے تھے وہ بھی محفوظ مقام کے متلاشی تھے: "مہاجر لڑکے لاٹھیاں پکڑے گا رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔" (۱۵)

جب فسادات چھڑتے ہیں تو ان کی زد میں داؤ جی بھی آئے بنا نہیں رہتا اور وہ دہشت پسندوں اور انسان دشمنوں میں گھرنے کے باوجود مغموم، اور دل گرفتہ و شکست خوردہ نہیں ہوتا اور افسانے کا اختتام بے حد موثر ہے۔

'کلمہ پڑھ پنڈتا' .... داؤ جی آہستہ سے بولے؟ کون سا؟

رانو نے ان کے ننگے سر پر ایسا تھپڑ مارا کہ وہ گرتے گرتے بچے اور بولا

'سالے' کلمے بھی کوئی پانچ سات ہیں؟ جب وہ کلمہ پڑھ چکے تو رانو نے اپنی لاٹھی ان کے ہاتھ میں تھما کر کہا۔"چل بکریاں تیری انتظاری کرتی ہیں۔" اور ننگے سر داؤ جی بکریوں کے پیچھے یوں چلے جیسے لمبے لمبے بالوں والا فریدا چل رہا ہو! (۱۶)

افسانے کے اختتام پر اشفاق احمد نے انسان کی ایک اور تصویر 'رانو' کو پیش کیا کہ جب انسان مکاری وفریب، دغابازی اور جنسی کج روی کا شکار ہوتا ہے تو حالات سے کس طرح فائدہ اٹھاتا ہے۔ فسادات کے دوران رانو کی بے حسی اور کمینگی کو داؤجی کے ذلیل کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کی وہ شخصیت عیاں ہوتی ہے جس کو قانون اور سزا کے خوف نے دبایا ہوا ہو۔

افسانہ "گڈریا" میں موجود داؤ جی کا کردار نہ صرف اردو ادب بلکہ دنیا کے ادب کے یادگار کرداروں میں گردانا جاسکتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد نمایاں ہونے والے ترقی پسند تحریک سے وابستہ افسانہ نگاروں کے ساتھ ہی اشفاق احمد کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔اشفاق احمد کا لازوال افسانہ "گڈریا" شائع ہوا تو ہر طرف اس افسانہ کا تہلکہ مچ گیا۔بقول انتظار حسین:

> نقادوں اور افسانے کے سنجیدہ قارئین نے جس افسانہ کو زیادہ اہمیت دی اور جس سے زیادہ امیدیں وابستہ کیں وہ اشفاق احمد کا افسانہ تھا۔(۱۷)

افسانہ 'ایل ویرا" میں نئی زندگی، زمانہ اور مسائل بیان ہوئے ہیں۔اس افسانے میں سیاسی شعور اور حب الوطنی کاجذبہ ابھرتا ہے: "ملک کے دو بڑے حصے بنا دینے کا فیصلہ کیا جارہا ہے، جلدی پہنچنے کی کوشش کرو۔" (۱۸)

افسانے میں مرکزی کردار جس کو سب "پدر سوختہ" کہہ کر پکارتے ہیں۔ روما میں دانش گاہ روم کے شعبہ شرقیات میں ایک معائدے کے تحت اردو پڑھاتا ہے اور جب وہ ڈیڑھ برس روم میں رہنے کے بعد اپنے اصل وطن واپس آتا ہے تو وہاں پر ملے پیار اور اپنائیت کو چھوڑتے ہوئے بہت اداس ہوجاتا ہے: "اس دن یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وطن چھوٹ رہا ہو۔" (۱۹)

افسانہ "ایل ویرا" میں قیام پاکستان کے بعد پروان چڑھنے والی ہوس زر اور لالچ و حرص نے جس طریقے سے امیدوں، آرزوؤں کو چاٹا اس کی جھلک بھی نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے:

> اباجان نے لکھا تھا کہ بڑے سوچ بچار کے بعد انھوں نے سنت نگر میں میری نسبت توڑ دی تھی، کیونکہ اس شادی سے ہمیں کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا اب وہ ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جو حکومت کے کسی بھی بڑے محکمہ میں پرمٹ آفیسر ہوتا کہ اس کی بدولت ہمیں بھی سرکاری فائدہ پہنچ سکے۔[۲۰]

اشفاق احمد کے دونوں افسانوی مجموعوں "ایک محبت سو افسانے" اور "اجلے پھول" میں شامل افسانوں میں جدید رنگ و آہنگ اور مستقبل کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔اے حمید کے نزدیک:

> 'اُجلے پھول' اور 'ایک محبت سو افسانے' میں اشفاق احمد کا فن اپنے عروج پر ہے اور یہ اس کے فن کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ ان مجموعوں کے افسانوں میں وہ ہمیں اپنے فن کی انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔[۲۱]

افسانوی مجموعہ "سفر مینا" (۱۹۸۳ء) میں شامل افسانہ "قاتل" میں محمد سلیم کی داستانِ الم بیان کی گئی ہے جو اپنی کرایہ دار شاموں کو کرایہ کی وصولی نہ کرنے پر بے دردی سے مارتا ہے۔ تو وہ اس کے خلاف پولیس تھانے میں رپورٹ درج کرواتی ہے جس کی وجہ سے سلیم پر استغاثہ زیر دفعہ ۵۰۴/۵۰۹ ہو گیا۔ وارنٹ جاری ہوا اور محمد سلیم حاضر عدالت ہوا یہ عدالت میں اس کی دوسری مرتبہ پیشی تھی۔ پہلی دفعہ جب سلیم کا اٹھنا بیٹھنا خفیہ فروشوں اور دارو بیچنے والوں کے ساتھ ہوگیا تو وہ اس نشے کی لت میں بری طرح سے پھنس گیا اور خفیہ فروشوں سے ٹیکے لگوانے لگا۔ ایک دفعہ جب ٹیکہ لگے چار روز گزر گئے تو وہ نشے کے لیے بہت تڑپا اس حالت میں وہ نکلس روڈ پر واقع ایک دکان میں ڈکیتی

کی واردات تک کر گزرتا ہے اور دو ٹیکے ایک ساتھ لگوا کر آرام سے پھٹے پر لیٹ جاتا ہے۔ لیکن اس دفعہ جو وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے اس سارے واقعے کا سلیم کی کہانی سے کوئی تعلق نہ تھا: "یہ دوسری بار تھی جب اس نے عدالت کا منہ دیکھا اور عدالت نے محمد سلیم ٹُنڈے کو پھانسی کی سزا دے دی۔"(۲۲)

اس شاہکار تخلیق کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد، اشفاق احمد کے بارے میں لکھتے ہیں: "وہ محض ہمارے ہاں مروج قانونی موشگافیوں اور نظام انصاف کی بساکھوں سے ہی آشنا نہیں اس کا ہاتھ پاکستانی کردار کی نبضوں پر بھی ہے۔"(۲۳)

افسانہ "قصہ نل دمینتی" میں عصر حاضر کی سیاسی، معاشی اور صنعتی ترقی اور اس کے سبب انسانیت کی تباہی اور بربادی کا احوال خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے:

> بہت زیادہ پالیٹکس اور بہت زیادہ سیکس انسان کو دکھی بنا دیتا ہے.... یہ جتنا بھی گلٹ (Guilt)اس دنیا میں موجود ہے سیکس اور پالیٹکس اور انفرمیشن کی وجہ سے ہے۔ ہر تیسرا آدمی السر کا شکار ہے اور ہر چوتھے آدمی کی شریان پھٹ رہی ہے اور ہر پڑھا لکھا ہارٹ اٹیک سے مر رہا ہے۔ ہمیں ضرورت سے زیادہ انفرمیشن نے روگی بنا دیا ہے۔(۲۴)

اشفاق احمد افسانے میں شائستہ کے کردار کے حوالے سے کہتے ہیں: "شائستہ امریکی رسالے ٹائم، کی طرح خوبصورت، جھوٹی اور خوشبودار تھی۔"(۲۵)

یہاں پر اشفاق احمد نے ان لوگوں پر طنز کیا ہے جو اجتماعی احوال کے آئینے میں انفرادی طرز عمل کا عکس دیکھتے ہیں:

> جب میری اور تیری محبت کا افسانہ عام ہوگا تو مستقبل کے نقادوں کو اور مبصروں کو آج کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ اور ان کو زور لگا کر پرانے قصوں اور داستانوں سے اس وقت کی گھٹن کے آثار علامتوں میں تلاش کرنے کے بجائے سیدھے سبھاؤ معلوم ہوجائے گا کہ سہیل شائستہ پر جان کیوں دیتا تھا۔(۲۶)

اشفاق احمد نے مارشل لاءکے دور میں بھی لکھا۔ اشفاق احمد اس ملک کی اساس اور اس کے مستقبل کو حال کے آئینے میں لمحہ موجود سے اس قدر مضبوط دیکھتے ہیں کہ وہ ماضی اور مستقبل کے دور دراز پہلوؤں پر نظر رکھنا بے سود سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں حال کی آئینہ داری میں ہی مشغول نظر آتی ہے۔

افسانوی مجموعہ "طلسمِ ہوش افزا" (۱۹۸۸ء) میں بھی اشفاق احمد نے سماج و معاشرے کی ناہمواریوں کے علاوہ سیاسی گھٹن و استحصال کو موضوع بنایا ہے۔ افسانہ "قصاص" میں جاگیردرانہ نظام کی فرقہ واریت زرعی سماج میں قتل کے محرکات اور نظامِ انصاف کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ "قصاص" میں اشفاق احمد نے پنجاب کے لوک قصوں کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک افسانہ تشکیل کیا ہے۔ جس میں یہ واضح ہوتا ہے کہ نظام انصاف کی رسومات جو پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں۔ البتہ قصاص میں اپنے سوار کے قاتلوں کو اب گھوڑے نہیں لینڈ رو ور پہچانتی ہے اور قصاص بھی لیتی ہے:

> لینڈ رو ور کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس کی بتیاں ایک دم روشن ہو گئیں۔ پھر اس نے فرسٹ گیئر میں ایک سو بیس میل کی سپیڈ پر اپنے آپ کو ابھارا اور اینٹوں پر سے اچھل کر بمپر جوڑ کر گورے قاتل کو ٹکر ماری جو کچھ دیکھے، سوچے، بولے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے نے بھاگنے کی کوشش کی تو موٹر نے تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر اور بائیں طرف گھوم کر بھاگتے قاتل کو زور کی ایک سائیڈ ماری اور اسے زمین پر گرا دیا۔[۲۷]

افسانہ "قصاص" سیاسی و معاشرتی سطح پر بڑھتی ہوئی بدامنی اور خون آشامی کا ترجمان ہے۔ زندہ انسانوں کے بجائے مادیت، بے جان چیزوں اور اشتہاروں کی اکساہٹ پر اپنی زندگی اور محبت کو ان کے لیے صرف کرنے اور بھاگ دوڑ کرنے والوں کے خلاف اشفاق احمد کا طنز افسانہ "سونی" میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ "سونی" افراد کے بجائے اشیاءسے انسان کی بڑھتی ہوئی الفت کا ماجرا ہے۔ بختیار کی بیوی خجستہ بختیار سے اس کا سونی وی سی آر استعمال کرنے کے لیے مانگتی ہے تو سونی کا نام سنتے ہی بختیار کا دل بیٹھ گیا:

سونی وی سی آر کے لیے استعمال کا لفظ سن کر اس دیدہ دلیری پر دلگیر ہو کر ملک التجار بختیار کی روح بلبلا اٹھی۔(۲۸)

وہ اس کو اپنی جان سے بھی عزیز سمجھتا ہے: "سونی واقعی میری جان ہے۔" (۲۹)

افسانہ "چھے چھکا بتیس" اشفاق احمد کے گہرے معاشی اور سیاسی شعور کا آئینہ دار ہے۔دنیا کی بڑی طاقتیں مالی امداد کی آڑ میں تیسری دنیا کے زندہ ذہین لوگوں کو کس طرح ختم کرنے کے درپے ہیں۔اسی سوال کا جواب مذکورہ افسانے میں مل جاتا ہے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کے دور میں بہاول نگر کالج میں اکنامکس کا لیکچرر 'ساعتی' جس کے علم و دانش کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔پروفیسر ساعتی نے اپنا ایک ریاضیاتی فارمولا پیش کیا:

پروفیسر صاحب چھ ضرب چھ کو چھتیس کے بجائے بتیس سمجھتے تھے اور چھ چھکے چھتیس کے بجائے چھ چھکے بتیس ہی کہتے تھے۔انھیں پختہ یقین تھا کہ چھ ضرب چھ چھتیس نہیں ہوتے بلکہ بتیس ہوتے ہیں۔اور جو لوگ انھیں چھتیس سمجھتے ہیں، وہ غلط سمجھتے ہیں۔(۳۰)

بادشاہ نے مالی امداد کی ضرورت پر مشترکہ فیصلے سے ورلڈ بنک سے قرضہ طلب کیا تو ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے جن کا تعلق 'امریکہ، انگلستان اور بلجیئم' سے تھا ہر ملک کی کرنسی میں رقم لے کر آئے تو پہلے ایک اہم شرط بادشاہ کے سامنے پیش کی کہ:

قرضے کی پوری رقم اصل مع سود، ادا ہونے تک پروفیسر ساعتی کو قید کرکے کڑے پہرے میں رکھا جائے گا اور کسی کو ان سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔ (۳۱)

ورلڈ بنک کے نمائندوں کو پروفیسر ساعتی سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ ہمارے عظیم الشان عالمی ادارے کی کارکردگی کو ایسے لوگ شدید نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔کیونکہ بقول نمائندہ سر بلجیئم:

پروفیسر ساعتی جیسا شخص جو دنیا کے طے شدہ قاعدے سے ایک مقام پر انحراف کرتا ہے وہ کسی اور طے شدہ اور مستقل قاعدے سے اس سے بھی بڑھ کر انحراف کرسکتا ہے۔(۳۲)

تو امریکی نمائندہ یہ خدشہ ظاہر کرتا ہے کہ:

طے شدہ اور معروف عام قاعدے کا منحرف ایک روز یہ اعلان بھی کرسکتا ہے کہ بلا سود بھی بنکاری ہوسکتی ہے اور بلاسود بھی تجارت کا چلنا اسی طرح قائم رہ سکتا ہے یا صنعت و حرفت کا تانا بانا سودی کاروبار کے علاوہ بھی اس دنیا میں چل سکتا ہے اور سود کے بغیر بھی یہ دنیا قائم رہ سکتی ہے۔(۳۳)

بادشاہ ورلڈ بنک کے نمائندوں کے خدشات وغیرہ سن کر ان کی شرط کو قبول کرتے ہوئے انھیں یقین دہانی کراتا ہے:

ہماری رعایا کے ایک فرد، چالو سوچ کے منحرف پروفیسر ساعتی کو خود گرفتار کرکے لے جائیں اور اپنے ملک کے کسی قید خانے میں قید کردیں، ہمیں کوئی اعتراض ہیں اور اگر ہم پر اعتبار کریں تو اسے بے شک ہماری سلطنت کے کسی بھی پسندیدہ قید خانے میں ڈال کر اپنا تالا لگا دیں اورچابی اپنے ساتھ لے جائیں۔بنک کے نمائندوں نے سرجھکا کر اور یک زبان ہوکے کہا'یوئر میجسٹی'! آپ بے شک اپنا تالا چابی لگائیں، ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ہم نے چابی ساتھ لے جاکر کیا کرنی ہے۔(۳۴)

افسانہ "آخری حملہ" میں مختلف بیماریوں کے جراثیم کو فوج کے استعارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔جو اپنے مخالف دشمن پر حملہ کرکے اس کا خاتمہ کرنے کے درپے ہیں۔یہ جراثیم ڈنتھیریا کے مرض میں مبتلا راحیلہ کے جسم میں تین دن سے سر توڑ کوشش کرتے ہیں لیکن ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

وہ کچھ بھی نہیں تھا نہ اینٹی بائیوٹک نہ اس کا دھواں نہ کوئی سموک سکرین نہ شب خون، تم ایک خوف زدہ اور ڈرپوک قوم کے ڈرپوک سپاہی ہو اور تم

میں اس ہزیمت خوردہ قوم کی ساری قباحتیں اور نحوستیں پیدا ہوچکی ہیں جو کئی صدیوں تک دوسروں کی غلام رہ چکی ہیں۔(۳۵)

یہاں پر جراثیم کو کرداروں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔اور افسانہ دو کرداروں مارشل پیتھو جینک خان اور بریگیڈیئر کی گفتگو پر مشتمل ہے۔

ہم جہاں بھی اپنی پیادہ جراثیم فوج کے ساتھ حملہ کرتے ہیں خون کے سفید خلیے لاکھوں، کروڑوں بلکہ اربوں کی تعداد میں ہمارے سپاہیوں کو گھیر لیتے ہیں اور انھیں کھانا شروع کر دیتے ہیں۔(۳۶)

مارشل یوں فوج کی تباہی اور تیز ہلاکت کا سبب سامانِ حرب کی کمی اور فنڈز کی قلت کو گردانتا ہے۔یہاں پر اشفاق احمد نے قومی و ملکی دفاع کے لیے فوج کی کارکردگی اور ان کی منصوبہ بندیوں کو موضوع بنایا ہے کہ انھیں دشمن کا مقابلہ کس طریقے سے کرنا ہے۔

افسانوی مجموعہ "صبحانے فسانے" (۲۰۰۲ء)میں مشمولہ افسانہ "اماں سردار بیگم" اشفاق احمد کا شاہکار افسانہ ہے۔جس میں انہوں نے مامتا کے جذبے، اور اس کی محبت کو موضوع بنایا ہے:

اس زمانے کی مائیں بچوں کو اپنی عقل و دانش سے یا نفسیاتی ذرائع سے یا ڈاکٹر سپوک کی کتابیں پڑھ کر نہیں پالتی تھیں بلکہ دوسرے جانوروں کی طرح صرف مامتا کے زور پر پالتی تھی۔(۳۷)

اس افسانے میں ماں کے بارے میں اشفاق احمد کا والہانہ لگاؤ، محبت اور یاد واضح ہوتی ہے:

وہ اپنی ہر کارکردگی کے پیچھے اپنی لاموجودگی کا امپریشن برقرار رکھتی تھی اور غائب سے غائب تر ہوتی رہتی تھی، تخلیق تو کرتی تھی کہ وہی یہ کام کرسکتی تھی، لیکن اپنی تخلیق کے چوکھٹے کے اندر کسی کارنر میں اپنا نام اور تاریخ نہیں لکھتی تھی۔(۳۸)

افسانہ "آڑھت منڈی" میں حکومتوں اور غیر سرکاری تنظیموں کا غربت ہٹاؤ مہم شروع کرنے یا غربت کو کم کرنے کے منصوبوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔تو افسانہ "ماسٹر روشی" میں قیام پاکستان کے بعد سیاسی، سماجی اور معاشی گھٹن کے سبب معاشرے میں ہر طرف مچنے والی لوٹ مار، ہوسِ زر اور لالچ

و حرص کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔کہ انسان کس حد تک ہوسِ زر اور لالچ کے لیے گر جاتا ہے اور اپنے مفاد کے لیے کوئی بھی گھناؤنا قدم اٹھانے کو تیار ہوتا ہے۔زندگی کی ہر نعمت ملنے کے باوجود وہ ہوسِ زر کا شکار ہوکر مال و دولت اکٹھا کرتا ہے۔

> جس الماری میں چک بک، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، آدم جی شوگر مل کے سینئرز، نٹ یونٹ ای، ایف یو کی یا بسی اور مکان کی رجسٹری رکھی ہے، اس کا پٹ کھولو تو اس میں سے بھی ایسی ہی ٹھنڈی ہوا آیا کرتی ہے۔چاہے موسم کوئی بھی ہو۔ (۳۹)

افسانہ "ماسٹر روشنی" میں وہاں اشفاق احمد کا طنزیہ لہجہ نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے، جہاں اچھے خاصے مالی حیثیت کے کردار مالی مدد کی اپیلیں کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے بہت سے لوگ اور ادارے بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو تیس سال تک چارپائیوں کے پائے بنانے والا بابا ابراہیم لجاجت آمیز لہجے میں گویا ہوتا ہے: "پُچّی کو روپے میرے نام بھی لگوا دے میرا ٹیم پاس ہوئے گا۔" (۴۰)

اشفاق احمد کے ہاں طنزیہ اور مزاحیہ افسانوں میں ایک خاص نوع کی گہرائی پائی جاتی ہے۔

افسانہ "بندر لوگ" میں تیسری دنیا کی بے بسی، محرومیت اور سامراج کی ریشہ دوانیوں پر کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔کہ سامراجی طبقہ کس طریقے سے تیسری دنیا کے عوام کے استحصال کرکے ان کی بے بسی، محرومیت اور لاچارگی سے فوائد حاصل کرتا ہے۔

اشفاق احمد نے افسانوں کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ءکی جنگ کے دوران ایک مشہور ریڈیائی پروگرام "تلقین شاہ" پیش کیا جس کو قومی سطح پر بہت پذیرائی ملی۔جس میں انہوں نے سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی مسائل کے ساتھ ساتھ جذبہ حب الوطنی کو بھی ابھارا ہے اور یوں وہ ایک افسانہ نگار سے زیادہ قومی ہیرو کا درجہ اختیار کرگئے۔

اشفاق احمد نے زندگی کی ناہمواریوں کے بارے میں ہمدردانہ شعور اجاگر کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی ہے۔سماج اور معاشرے میں پھیلی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی عکاسی خوبصورت طنزیہ پیرائے میں کی ہے۔اشفاق احمد اس قوم کے تشخص کی تعمیر کے لیے ایک مخلص معمار کی حیثیت

رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں معاشرے کی ہم آہنگی پر خاصا زور دیا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ان کے یہاں نئے تجربے ملتے ہیں۔

اشفاق احمد نے ماورائی افسانہ لکھنے کے بجائے زمینی افسانے پیش کیے ہیں۔ ان کے افسانوں میں زبان و بیان اور اسلوب و انداز کا جادو اور نئے تجربوں کے سراغ ملتے ہیں جو انھیں مستقبل کا افسانہ نگار بناتی ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا اس کو سادہ مزاجی اور صدقِ دل سے سوچ کر سہل روی سے پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے سعادت سعید کہتے ہیں: "اشفاق احمد نے اپنے ویرانہ دل کو کھود کر حسن کا گنج گرانمایہ تلاش کیا ہے۔" (۴۱)

اشفاق احمد کے ہاں معمولی چیزوں کو بھی غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ وہ چھوٹے سے واقعے میں بھی بڑی کہانی کا عنصر دیکھ کر اسے اپنے فکر و نظر کے مطابق ایک جیتی جاگتی اور موثر کہانی کا روپ دیتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے ہر طبقے کی کہانی کو نہایت روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے فرزانہ سید لکھتی ہیں:

> اشفاق احمد زمانے کے تلخ و شیریں اور نشیب و فراز کو بالا لتزام بیان نہیں کرتے۔ یہ امور اور حقائق تو خود بخود ہی ان کے افسانوں میں ایک فطری روانی کے ساتھ چلے آتے ہیں۔ (۴۲)

اشفاق احمد کے افسانوں میں رنگ و نسل اور فرقے سے ماورا ایک بلند تر انسانیت کا تصور ابھرتا ہے۔ اس کے افسانوں میں ترقی پسند مصنفین کی طرح عظیم انسان کی مصنوعی تحلیل و تزئین کی جگہ زندگی کا پورا اعمال نامہ واضح ہوتا ہے۔ سعادت سعید کے نزدیک: "اشفاق احمد کے افسانے جینے کی تمناؤں سے معمور انسانوں اور امیدوں بھری زمینوں کی حکایات بیان کرتے ہیں۔" (۴۳)

اشفاق احمد کی کہانیاں صحیح مشاہدے اور فطرت انسانی کی تفہیم پر مبنی ہیں۔ ان کے افسانوں کو جزئیات نگاری، ہمواری و توازن، نظم و ضبط اور روانی نے معیاری بنا دیا۔ ان کے افسانوی اسلوب میں لطافت نرمی اور شیرینی ہے۔ وہ دھیمے، سادہ اور شاعرانہ انداز کے افسانہ نگار ہیں۔ بقول وقار عظیم:

> اشفاق احمد کے افسانے موضوعات کی شیرینی اور دلچسپی کے علاوہ اس لیے بھی پڑھنے والے کو متاثر کرتے ہیں کہ ان کی پوری فضا میں ایک شگفتگی

ہے۔وہ سیدھی سادی بات کو ایسے شاعرانہ انداز میں کہنے کے عادی ہیں کہ کبھی کبھی یہ سیدھی سادی بات افسانے کے بجائے کسی حسین نظم کا موضوع معلوم ہونے لگتی ہے۔(۴۴)

اشفاق احمد کے افسانوں میں کہانی کے ڈھانچے اور ترتیب کا ایک خاص اہتمام ملتا ہے اور اس کے افسانے میں اس کی ابتدا، ارتقا اور اس کے انجام ہر چیز میں ایک توازن نظر آتا ہے۔فن کے مختلف عناصر کو ہر طرح کے تلاطم سے محفوظ رکھنا ان کے افسانوں کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔وہ فنِ افسانہ نگاری کی سبھی جہات پر استادانہ مہارت رکھتے ہیں۔اشفاق احمد کے افسانوں کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن افسانہ نگاری کی دنیا میں اشفاق احمد کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے۔ڈاکٹر طاہر مسعود لکھتے ہیں: "اشفاق کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مقدار کے اعتبار سے کم اور معیار کے لحاظ سے بہت اچھا لکھا ہے۔"(۴۵)

اشفاق احمد اپنے موضوع اور کرداروں کے انتخاب میں بھی منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔وہ اپنے کرداروں کے جذبات و محسوسات کی ایک ایک پرت اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان کے کرداروں سے پہلے کہیں ملے ہوں۔ان کے اسلوب و زبان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جیسے وہ افسانے کے قاری سے گفتگو کررہے ہیں۔اشفاق اپنے افسانوی فن میں انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوی مقام و مرتبے کے حوالے سے اے حمید لکھتے ہیں:

اشفاق احمد نے بطور افسانہ نگار ادب میں جو مقام حاصل کیا ہے وہ اپنے پہلے افسانے سے ہی اس مقام پر پہنچ گیا تھا۔ آج تک افسانہ نگار کی حیثیت سے اس مقام پر کھڑا ہے۔نہ ایک قدم آگے بڑھا ہے، نہ ایک انچ پیچھے ہٹا ہے۔(۴۶)

اشفاق احمد کی تخلیقی شخصیت متنوع جہات کی حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت، خیالات و تصورات میں بظاہر تنوع نظر آتا ہے ایسا تنوع جس نے ڈراموں اور افسانوں کی صورت میں تخلیقی سطح پر اظہار پایا۔انہوں نے اپنی تخلیقی توانائیوں کا اظہار زندگی و فن کے مختلف شعبوں میں کیا ہے۔اگر ہم ان کے تخلیقی اظہار کو سمیٹنا چاہیں تو یہ بہت مشکل کام ہے۔ان کے فن کے تجزے، ان

کے گہرے مطالعہ کا نفسیاتی و سیاسی شعور اور ان کے مذہبی طرزِ احساس کا مطالعہ برسوں تک ہوتا رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر "افسانہ اور افسانہ نگار"، الوقار پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۰ء، ص ۳۹۲

۲۔ ہارون الرشید تبسم، پروفیسر "صوفی منش دانشور، اشفاق احمد" مشمولہ 'ادب لطیف' اشفاق نمبر، جلد ۷، شمارہ نمبر ۵، لاہور، مئی۲۰۰۵ء، ص۴۵۵

۳۔ اشفاق احمد "توبہ" مشمولہ "ایک محبت سو افسانے" سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲

۴۔ اشفاق احمد "تلاش" مشمولہ 'ایک محبت سو افسانے،ص۳۸

۵۔ اشفاق احمد"سنگ دل"، "مشمولہ "ایک محبت سو افسانے"،ص ۶۱

۶۔ ایضاً، ص۲۱

۷۔ اشفاق احمد، "بابا" مشمولہ "ایک محبت سو افسانے"،ص۱۵۲

۸۔ ایضاً، ص۱۵۷

۹۔ ایضا، ص۱۵۸

۱۰۔ اشفاق احمد "پناہیں" مشمولہ "ایک محبت سو افسانے"،ص۱۶۰

۱۱۔ ایضاً، ص۱۷۵

۱۲۔ اشفاق احمد، "مسکن" مشمولہ "ایک محبت سو افسانے"،ص۲۹

۱۳۔ اعجاز رضوی "اشفاق احمد کی یاد میں" مشمولہ ماہنامہ ادب لطیف، ص۲۸۰

۱۴۔ اشفاق احمد "گڈریا" مشمولہ "اجلے پھول" غالب پبلشرز لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۱۳۵

۱۵۔ ایضاً، ص۱۵۶

۱۶۔ ایضاً، ص۱۵۷۔۱۵۸

۱۷۔ انتظار حسین، "صوفی، ملا اور اشفاق احمد" مشمولہ 'راوی' اشفاق احمد نمبر، جلد ۹۲، شمارہ اکتوبر، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۴۵

۱۸۔ اشفاق احمد "ایل ویرا" مشمولہ "اجلے پھول"،ص۱۹۷

۱۹۔ ایضاً، ص۲۰۰
۲۰۔ ایضاً، ص۱۹۶
۲۱۔ اے حمید "اشفاق احمد: شخصیت اور فن" اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص۳۴
۲۲۔ اشفاق احمد "قاتل" مشمولہ "سفر مینا" سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء، ص۱۲۶
۲۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر "اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ"، مثال پبلشرز فیصل آباد،۲۰۱۰ء، ص۴۲۸
۲۴۔ اشفاق احمد "قصہ نل دمیتی" مشمولہ "سفر مینا"، ص۱۷۱
۲۵۔ ایضاً، ص۱۶۳
۲۶۔ ایضاً، ص۱۷۶
۲۷۔ اشفاق احمد "قصاص" مشمولہ "طلسم ہوش افزا" سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، س۱۵
۲۸۔ اشفاق احمد، "سونی" مشمولہ "طلسم ہوش افزا"، ص ۳۲
۲۹۔ ایضاً، ص۲۳
۳۰۔ اشفاق احمد "چھ چھکے بتیس" مشمولہ "طلسم ہوش افزا"، ص۴۱
۳۱۔ ایضاً، ص۴۴
۳۲۔ ایضاً، ص۴۶
۳۳۔ ایضاً، ص۴۷۔۴۶
۳۴۔ ایضاً، ص۴۸
۳۵۔ اشفاق احمد "آخری حملہ" مشمولہ "طلسم ہوش افزا"، ص۶۲
۳۶۔ ایضاً، ص۶۳
۳۷۔ اشفاق احمد "اماں سردار بیگم" مشمولہ "صبحانے افسانے" سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۸
۳۸۔ ایضاً، ص۳۱
۳۹۔ اشفاق احمد" ماسٹر روشنی" مشمولہ "صبحانے افسانے"، ص۴۳
۴۰۔ ایضاً، ص۴۵

۴۱۔ سعادت سعید "اشفاق احمد کا ایک مسحور کن بیانیہ" مشمولہ رسالہ 'راوی' ا، ص۲۷

۴۲۔ فرزانہ سید "نقوش ادب" سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۴۲۶

۴۳۔ سعادت سعید "اشفاق احمد کا ایک مسحور کن بیانیہ"، ص۲۸

۴۴۔ وقار عظیم، سید "داستان سے افسانے تک" اردو اکیڈمی کراچی ، ۱۹۹۰ء، ص۳۷۷۔۳۷۶

۴۵۔ طاہر مسعود، ڈاکٹر "یہ صورت گر کچھ خوابوں کے" اکادمی بازیافت کراچی،۲۰۰۷ء، ص۱۸۷

۴۶۔ اے حمید "اشفاق احمد شخصیت اور فن"، ص۳۳